۲۔ تسخیر اشیاء اور نعمہائے الٰہیہ

خلافتِ ارض کے لیے سائنس وصنعت کی اہمیت

(آخری قسط)

علم اسماء کی تفصیل | پچھلے باب میں علم اسماء کا تعارف کرایا گیا تھا۔ اس باب میں علم اسماء کی تفصیل اور عملاً ان سے استفادہ کی نوعیت واہمیت بیان کی جاتی ہے۔

زمانۂ قدیم کا انسان صرف زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، ہوا، پانی، حجر، شجر، مٹی، حشرات، گائے، بیل، بکری، اونٹ، گھوڑا، گدھا، ہاتھی، کتا، بلی، شیر، لومڑی، جنگل، پہاڑ، لوہا، تانبا، پیتل، سونا، چاندی، دریا، سمندر، مچھلی، پرندے، چاول، گیہوں، دال، سبزی، گوشت، انڈا، دودھ اور دہی وغیرہ وغیرہ ہی سے واقف تھا یا چند زراعتی، تمدنی اور جنگی آلات واوزار وغیرہ سے۔

مگر آج کا انسان ایٹم، الکٹران، پروٹان، نیوٹران، پوزیٹران، ڈیوٹران، فوٹان، ہائیڈروجن، آکسیجن، نائٹروجن، کاربن، ہیلیم، پوٹاشیم، میگنیشیم، ریڈیم، یورنیم (تمام ۱۰۴ عناصر)، برق، بھاپ، ایٹمی قوت، ایٹمی شعاعیں، لاشعاعیں، کائناتی شعاعیں، پروٹو پلازم، امیبا، پروٹوزوا، جینز، کروموسوم، کلوروفل، کلوروپلاسٹ، انزائم، مائیٹو کانڈریا، ہیموگلوبین، ہارمون، پروٹین، کاربوہائیڈریٹ، وٹامن، آکسیجن، کاربن ڈائی آکسائڈ، گلوکوز، پنسلین، مختلف قسم کے کیمیاوی ایسڈ اور ان کے بے شمار مرکبات،

ربڑ اور اس کی مصنوعات، پلاسٹک اور اس کی مصنوعات، مختلف کیمیاوی کھادیں اور ادویات نئی نئی دھاتوں کی دریافت اور ان کی مصنوعات، بے شمار قسم کی پیچیدہ مشینیں تھرمامیٹر، بیرومیٹر، فلاسک، ریفریجریٹر، ٹرین، موٹر، ہوائی جہاز، ریڈیو، ٹیلیفون، ٹیلی ویژن، برقی، وائرلیس تار، ٹیلکس، ٹیلی پرنٹر، راکٹ اور خلائی جہاز وغیرہ سے بھی واقف ہے۔

آج انسان روئے زمین پر سوا ملین (ساڑھے بارہ لاکھ) کے قریب حیوانات و نباتات کے وجود کا پتہ لگا کر ان کے آثار و خواص کا مطالعہ کر رہا ہے جو "حیاتیات" (Zoology) کے دائرہ میں آتے ہیں[1]۔ اسی طرح آج کرۂ ارض پر پائے جانے والے دو لاکھ کے قریب "غیر نامیاتی مرکبات" (Inorganic Compounds) اور چالیس لاکھ کے لگ بھگ "نامیاتی مرکبات" (Organic Compounds) سے واقفیت حاصل کر چکا ہے[2] جن کا مطالعہ علم کیمیا (Chemistry) کے تحت کیا جاتا ہے۔ اسی طرح سارے دنیا میں پائے جانے والے لاتعداد ستارے اور سیارے اور اربوں کہکشاؤں کے نظاموں اور ان کی خصوصیات کا مطالعہ علم فلکیات (Astronomy) کے تحت کیا جاتا ہے۔ اسی طرح زیر زمین پائی جانے والی اشیا خصوصاً مٹی اور چٹانوں کی بناوٹ اور ان کی ساخت و پرداخت اور معدنیات وغیرہ کا مطالعہ علم ارضیات (Geology) کے تحت کیا جا رہا ہے۔

---

[1] Asimov's Guid to Science, Vol. 2, P. 304, 1978.

۱۸۰۰ء حیوانات و نباتات کی دریافت شدہ تعداد صرف ستر ہزار تھی، جب کہ یہ تعداد آج بارہ لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔ کھوج برابر جاری ہے اور دن بدن نئے نئے انواع حیات علم انسانی میں آ رہے ہیں۔ اس لحاظ سے مخلوقات الٰہی کی صحیح تعداد کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

[2] علم کیمیا، ۲/۱۵۸

اس لحاظ سے تحقیقات کا دائرہ جیسے جیسے آگے بڑھ رہا ہے موجودات عالم یا خدا کی مخلوقات کی تعداد میں بھی برابر اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ دوربین اور خوردبین کی ایجاد کے بعد تو ہمارے سامنے نئے نئے جہانوں کے ظہور کا ایک تانتا سا بندھ گیا ہے اور ایسے ایسے حقائق منظر عام پر آ رہے ہیں جن کے ملاحظے سے حیرت ہوتی ہے۔

جس طرح قدیم چیزوں سے واقفیت "علم اسماء" میں داخل تھی اسی طرح جدید سے جدید تر تمام چیزوں سے واقفیت بھی علم اسماء میں داخل ہے بلکہ قیامت تک جتنی بھی نئی نئی چیزیں اور ان کے خواص و تاثیرات دریافت ہوتے جائیں گے وہ سب کے سب مفسرین کی تصریحات کے مطابق علم اسماء ہی کے دائرہ میں ہوں گے، جن کے دریافت کی صلاحیت خلاق فطرت نے روز ازل ہی میں حضرت آدم علیہ السلام کے توسط سے بالقوۃ تمام انسانوں میں رکھ دی تھی۔

سائنسی علوم کا پھیلاؤ | ان اصطلاحات کی وسعت یا "ناموں کی کثرت" کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ سائنسی علوم کی بے انتہا ترقی اور پھیلاؤ کی بدولت خود ان علوم (طبیعیات، کیمیا، حیاتیات اور ارضیات وغیرہ) میں سے اب ہر علم و فن کی لغات (ڈکشنریاں) الگ الگ تیار ہونے لگی ہیں۔ مثال کے طور پر ادارہ Penguin Books London کی تیار کردہ مختلف سائنسی لغات ملاحظہ ہوں، جن میں سے ہر ایک کئی کئی ہزار الفاظ و اصطلاحات پر مشتمل ہے[1]

---

[1] جو یہ ہیں:

1. The Penguin Dictionary of Physics.
2. The Penguin Dictionary of Biology.
3. A Dictionary of Science
(یہ لغت خصوصیت کے ساتھ علم کیمیا کے لیے مخصوص ہے)
4. A Dictionary of Geology.
5. A Dictionary of Geography.
6. A Dictionary of Electronics.

پھر ان علوم میں سے ہر علم — کثرت مباحث کی بدولت — مزید شاخ در شاخ تقسیم ہو جاتا ہے — مثال کے طور پر صرف "حیاتیات" ہی کو لے لیجیے جس کی اب تک بیسیوں شاخیں وجود میں آ چکی ہیں۔ جیسے :

علم عضویات ———— Morphology
نسیجیات ———— Histology
علم تشریح ———— Anotomy
فعلیات ———— Phisiology
علم طبیعی ماحول ———— Ecology
علم درجہ بندی (انواع حیات کے اقسام) ———— Taxonomy
علم توالد و تناسل ———— Genetics
معدوم شدہ جانوروں اور پودوں کا علم ———— Palaeontology
نباتاتی معاشیات ———— Economic Botany.

یہ وہ علوم ہیں جو عام طور پر درسی کتابوں کا جزو ہوتے ہیں۔ اور حیاتیات کی دو اصولی شاخوں: (۱) علم نباتات (Botany) اور (۲) علم حیوانات (Zoology) کی کسی بھی درسی کتاب کے عموماً لازمی اجزا کے طور پر یہ مباحث پائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ حیاتیات کی چند جدید شاخیں وہ ہیں جو فنی لحاظ سے مخصوص نوعیت کی حامل ہیں۔ ان کے بغیر حیاتیات کا مطالعہ مکمل نہیں ہو سکتا۔ وہ یہ ہیں :

علم خلیات ———— Citology
حیاتیاتی کیمیا ———— Biochemistry
طبیعی حیاتیات ———— Physical Biology
بحری حیاتیات ———— Marine Biology.

تابکاری حیاتیات ——— Radio Biology
خوردبینی حیاتیات ——— Micro Biology
سالماتی حیاتیات ——— Molecular Biology
کیمیائی خوردبینی حیاتیات ——— Chemical Micro Biology
برقی فعلیات ——— Electrophysiology
حیاتی برقیات ——— Bioelectricity
انزائمیات ——— Enzymology
مائی ٹوکانڈریائی علم ——— Mytocondriology.

بطور مثال یہاں پر صرف ایک علم کی متعدد شاخیں بیان کی گئی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں کچھ علوم چھوٹ گئے ہوں۔ بہر حال اس سے موجودہ سائنسی علوم کی وسعت و اہمیت اور ان کی ہمہ گیری کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام علوم اور یہ تمام مسائل و مباحث علم اسما ہی کی تفصیلات ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان چیزوں (مادہ و توانائی کے آثار و خواص) کو مسلمان محقق اور سائنس داں دریافت کرتے تو ان کے نام بھی وہ اپنی زبان میں کچھ اور رکھتے، جس کی وجہ سے شاید وہ اجنبیت نہ ہوتی جو آج دکھائی دے رہی ہے[1] اور دوسری حیثیت سے وہ علوم و فنون کے میدان میں بھی اقوام عالم کی

[1] اگرچہ علوم و فنون کی اصطلاحوں کے مترادفات ہماری زبان میں بھی وضع کر لیے گئے ہیں مگر جس رفتار سے سائنس کی ترقی ہو رہی ہے اس رفتار سے وضع اصطلاحات کا کام نہیں ہو پا رہا ہے اور پھر بہت سی اصطلاحیں فرسودہ اور ناکارہ معلوم ہوتی ہیں۔ اس بنا پر اکثر انگریزی کی اصطلاحات کے استعمال ہی کو ترجیح دینا پڑتا ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ اصل معاملہ محض اصطلاحات کا بھی نہیں ہے بلکہ صحیح معنی میں ان علوم کے غیر دینی اور غیر ضروری ہونے کا تصور ہے۔ جب تک "علم" کی تقسیم کا یہ غلط تصور نہیں بدلے گا کوئی حقیقی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ (باقی صفحہ پر)

رہبری کر کے پوری دنیا کے امام بنتے۔ جیسا کہ قرونِ وسطیٰ میں بغداد، سسلی اور اسپین وغیرہ نے علوم وفنون کی ترقی میں تاریخی رول ادا کیا تھا، جس کے باعث موجودہ یورپ کی ذہنی بیداری اور اس کی نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) عمل میں آسکی۔

<u>قرآن کی بلاغت اور اس کے علمی اعجاز کا ایک نمونہ</u> ضمناً میں اس موقع پر ایک نکتہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ یہ سارے علوم اور یہ تمام مسائل و مباحث محض قرآن حکیم کے ایک لفظ "الاسماء" کی تفصیل ہیں۔ یہ قرآن حکیم کی بلاغت اور اس کا سب سے بڑا اعجاز ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ میں علوم وفنون کے سمندر کو نہیں بلکہ بلا مبالغہ "سمندروں" کو سمو دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم کو اس موقع پر صرف ایک لفظ "الاسماء" کی بلاغت اور اس کے حیرت انگیز مفہوم میں نظر آرہا ہے۔ اس ایک لفظ کی تشریح و تفسیر ـــــ مکمل طور پر ـــــ پوری نوعِ انسانی اپنے تمام علوم وفنون سمیت قیامت تک نہیں کر سکتی۔ علوم وفنون کی پوری پوری عظیم الشان لائبریریاں بھی اس ایک لفظ کی کامل توجیہہ و تشریح میں عاجز و بے بس رہیں گی یعنی موجوداتِ عالم اور ان کے خواص و آثار سے متعلق جتنی بھی تفصیلات ـــــ مختلف علوم کے تحت ـــــ مدون کی جائیں گی وہ سب کی سب اس "ایک حرفی کوزے" میں سما جائیں گی بلکہ "هل من مزيد" کی صدائیں بلند ہوتی رہیں گی۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ○ کہہ دو کہ اگر سمندر روشنائی بن جائے میرے رب کی باتوں کے (لکھے جانے) کے لیے، تب بھی میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹) نیز اس سلسلے میں ایک اور تلخ حقیقت یہ بھی ہے کہ اردو والوں کو اب تک "گل و بلبل" اور "بادہ و ساغر" ہی سے فرصت نہیں ملی کہ وہ ان حقیقی علوم وفنون کی طرف توجہ کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کا دامن اب تک ان مفید تجربی علوم سے بالکل خالی نظر آتا ہے، خصوصاً وہ علوم جو اوپر گنائے گئے ہیں۔

سمندر ختم ہو جائے گا، اگرچہ ہم اس کی مدد کے لیے اُسی جیسا ایک اور سمندر لے آئیں (کہف ۱۰۹)

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○ اور زمین میں جتنے بھی درخت ہیں سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر اپنے بعد مزید سات سمندروں کو لے آئے تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ یقیناً اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ (لقمان ۲۷)

یہی وجہ ہے کہ تمام جن وانس مل کر بھی "حقائق و معارف سے لبریز" اس جیسا کلام پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ عجمی لوگ قرآن حکیم کے ادبی اسلوب اور اس کی اصل معجزانہ بلاغت کو سمجھنے سے قاصر ہیں تو کیا ہوا، اس کی حکمت و دانش، اس کے معجزنما بیانات اور اس کے اس حیرت انگیز پہلو سے اس کی عظمت و برتری کا کچھ تو اندازہ کر سکتے ہیں! قرآن کا اس سے بڑا معجزہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہر دور میں اس کے حالات و مقتضیات کے مطابق اس کا علمی اعجاز مختلف حیثیتوں سے کھل کر سامنے آتا رہتا ہے اور اس کے کلام برتر اور کلام الٰہی ہونے کا ثبوت بہم پہنچاتا رہتا ہے۔ اگر کوئی قوم (اپنی زبان کی اجنبیت کی بنا پر) یا کوئی دور (اپنے زمانی تاخر کی بنا پر) اس کے کسی ایک پہلو کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے تو اس کے اعجاز کا دوسرا پہلو اس کے سامنے آجاتا ہے۔ غرض آج کے جدید ترین علمی دور میں اس کا علمی اعجاز اہل دانش کو مبہوت و ششدر کر دینے کے لیے کافی ہے، جو عقل سلیم اور فکر سلیم رکھنے والوں اور حساس دل و دماغوں کو متاثر کرنے والے ایک اعلیٰ ترین کلام کے روپ میں ظاہر ہوا ہے۔ اس جیسا کوئی دوسرا مشاہدہ نوع انسانی نے اب تک نہیں کیا ہے۔

خلافتِ ارض اور جہاد اس موقع پر بنیادی سوال یہ ہے کہ انسان کو علم اسماء دیے جانے کا مقصد و مدعا کیا ہے؟ تو اس کا جواب پچھلے صفحات میں دیا جا چکا ہے کہ اس سے خلافت ارض کے اغراض و مقاصد کی تکمیل مقصود ہے۔

خلافت ارض کا سب سے بڑا مقصد زمین میں ــــ انفرادی و اجتماعی ہر حیثیت سے عدل و انصاف قائم کرنا اور ظلم و زیادتی کو مٹانا ہے۔ تاکہ یہ دنیا امن و امان اور سکون و آشتی کا گہوارہ بن جائے (جو موجودہ دور کی سب سے بڑی ضرورت ہے) اور پروردگار عالم کی ربوبیت و رحمانیت جس طرح تمام مظاہر کائنات پر محیط نظر آرہی ہے اسی طرح اس کی رحمانیت کا بھرپور مظاہرہ خود انسانی زندگی کے مختلف مظاہر میں بھی نظر آئے۔ ورنہ تضاد اور ثنویت کی وجہ سے انسان اور کائنات کے درمیان تال میل اور مکمل ہم آہنگی نہیں رہے گی۔ لہٰذا انسانی کوشش ــــ خصوصاً خدا کے مخلص اور وفادار بندوں کی سعی ــــ یہ ہونی چاہیے کہ جس طرح بھی ہو سکے اس مقصد عظیم کی تکمیل کے لیے اپنی تمام توانائیاں صرف کر ڈالیں۔ اسی وجہ سے اہل اسلام کو دنیا کے باطل فلسفوں، باطل نظاموں اور طاغوتی قوتوں کے خلاف جہاد کرنے کی تاکید کی گئی ہے[1] جہاد کی دو قسمیں ہیں: (۱) علمی یا

---

[1] مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا ہے:
وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا ۝ فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ۝ اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک متنبہ کرنے والے کو بھیج دیتے (مگر ایسا کرنے کے بجائے ہم نے ایک جامع اور مکمل کلام نازل کر دیا جو سب کے احوال و کوائف کے لیے کافی ہو) لہٰذا تم منکرین کا اتباع مت کرو (اور باطل نظاموں کو تسلیم نہ کرو) بلکہ اس (کلام) کے ذریعہ ان کا (اور ان کے فلسفوں کا) زور شور کے ساتھ مقابلہ کرو۔ (فرقان۔ ۵۱-۵۲)

یہاں پر دو حقیقتیں قابل غور ہیں: ایک یہ کہ ہر ہر شہر و بستی یا ہر ہر قوم میں ایک ایک ہادی بھیجنے کے بجائے ایک ایسا جامع کلام بھیجا گیا جو سب کی ہدایت کے لیے کافی ہو۔ اس سے اس طرف بھی ہو گیا کہ مابعد کے ادوار کے لیے بھی علیحدہ علیحدہ رسول اور الگ الگ پیغامات بھیجے ضروری نہیں رہے، بلکہ یہی واحد کلام تاقیامت تمام اقوام عالم کے لیے متنبہ اور خبردار کرنے والا بن سکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ قرآن کے ذریعہ جہاد کرنے کا صاف و صریح رباط

قلمی جہاد (۲) جہاد بالسیف یا طاقت کا اظہار۔ قسم ثانی کا مظاہرہ خاص خاص حالات اور تقاضوں پر موقوف ہے۔ مگر قسم اول ہمیشہ جاری رہ سکتا ہے۔ یعنی دلیل واستدلال کے ذریعہ باطل نظاموں کا مقابلہ اور دینِ رحمت (دین اسلام) کی سربلندی اور عملاً اس کو غالب کرنے کے لیے راہیں ہموار کرنا۔ اسی وجہ سے انسان کو پیدا کرنے کے فوراً بعد قوت بیانیہ، دلیل واستدلال اور علم اسماء وغیرہ سب کچھ عطا کر دیا گیا[1] تاکہ بنی نوع

(بقیہ حاشیہ صلا) مطلب یہ ہوا کہ اس میں چونکہ علمی اعتبار سے باطل افکار ونظریات اور جدید سے جدید تر ہر قسم کے فلسفوں اور نظاموں سے نپٹنے کا سامان بھی رکھ دیا گیا ہے اس لیے ہم کو قرآن کے ذریعہ جہاد کرنے یعنی اُس کے ابدی حقائق ومعارف کا استنباط کرکے عالم انسانی کی رہبری کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ موجودہ دور عقلیت (*Rationalism*) اور نظریاتی کشمکش کا دور ہے۔ اور آج وہی دین و مذہب کامیاب ہو سکتا ہے جو عقلی ونظریاتی اعتبار سے دوسرے تمام نظاموں کا مقابلہ کرکے ان پر غالب آنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ قرآن حکیم اس حیثیت سے بھی ایک کامیاب اور بے مثال صحیفہ نظر آتا ہے۔

اس موقع پر ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ "جہاد" کا مطلب لازمی طور پر "قتال" یا تلوار اٹھانا نہیں ہے، جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مطلب "کوشش اور جدوجہد کرنا" ہے۔ یعنی دینِ حق کی سربلندی کے لیے جدوجہد کرنا۔ اب رہا دینِ حق کی مدافعت میں جنگ و جدل کرنا، تو یہ محض اس کی ایک شکل ہے جو زبانی علمی اتمام حجت کے بعد آخری چارۂ کار کے طور پر روا رکھی گئی ہے۔ خود اس آیت کریمہ کو دیکھیے یہاں پر ہم کو بجائے تلوار کے محض قرآن کریم کے ذریعہ جہاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یعنی علمی ونظریاتی اعتبار سے اقوام عالم کا مقابلہ کرنا۔ اسی وجہ سے اس میں تمام فلسفوں کا رد موجود ہے۔

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو پچھلا باب۔

انسان کے درمیان نظریاتی کشمکش جاری رہے اور قوت استدلال کے ذریعے وہ ایک دوسرے پر غالب آتے رہیں۔

مگر انسان کی فطرت میں دو قسم کی قوتیں کارفرما ہیں: (۱) ایک تو اس کا ضمیر یا نفس ناطقہ (Conscience) ہے جو اس کو ہمیشہ نیکی اور تعمیر سیرت پر ابھارتا رہتا ہے۔(۲) اور دوسرے اس کا نفس امارہ یا حیوانی قوت ہے جو اس کو بدی اور تخریب کی طرف آمادہ کرتی رہتی ہے۔ ان دونوں میں برابر کشمکش اور آویزش برپا رہتی ہے۔انسان کی آزمائش کے لیے یہ دونوں قوتیں اللہ نے ہر انسان میں برابر رکھ دی ہیں مگر جس وقت اجتماعی حیثیت سے کسی قوم کا قوام بگڑ جاتا ہے اور اس پر حیوانی قوت اور اس کے اثرات غالب آجاتے ہیں اور پھر اس کے نتیجے میں اللہ کی زمین فتنہ و فساد سے بھر جاتی ہے تو ایسے موقعوں پر بجائے جہاد بالقلم کے جہاد بالسیف ضروری ہو جاتا ہے تاکہ فتنوں کا استیصال ہو جائے اور زمین میں امن وامان برقرار رہے۔

یہ ہے خلافت ارض اور جہاد کا تعلق اور اس کی نوعیت۔ اب رہا تسخیر اشیاء کا معاملہ—جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے—تو یہ اصلاً جہاد کی تیاری کے لیے ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے، بجائے خود مقصود ومطلوب نہیں۔ اس نکتہ کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

مسلمان اپنے دین وایمان پر ثابت رہتے ہوئے اگر دنیوی میدان میں ترقی کرنا چاہتے ہیں تو شرعی حیثیت سے ان پر کوئی رکاوٹ اور پابندی عائد نہیں ہوتی، بلکہ ان کی یہ کوشش ہر حیثیت سے محمود ومستحسن سمجھی جائے گی، پھر ایسی صورت میں جب کہ آج دین کو مضبوط ومستحکم کرنے کے لیے خود دنیوی حیثیت سے ہمارا مضبوط ومستحکم ہونا نہایت ضروری ہے۔

بعض لوگوں کو شبہ ہو سکتا ہے کہ دنیوی علوم وفنون سے تعرض اور ان میں انہماک شاید اسلام کی قناعت پسندانہ قسم کی ہدایات کے خلاف ہو مگر یہ ایک منفی صورت حال ہے جو

بعض خاص احوال وکوائف کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس سے میدان عمل میں مثبت طور پہ جدوجہد کرنے کی ممانعت نہیں نکلتی؛ بلکہ قرآن حکیم کی بہت سی آیات ایسی ہیں جو اس میدان میں آگے بڑھنے پر ابھارتی ہیں، خصوصاً وہ آیات جن میں مظاہر فطرت کی تسخیر کرنے اور ان کی قوتوں سے استفادہ کرنے کا حد درجہ مؤثر اور طاقتور اسلوب میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ نیز ایک موقع پہ دنیا داروں اور دین داروں کا تذکرہ کرنے کے بعد بطور اصول یہ حتمی فیصلہ بھی سنا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مادی نعمتیں اور دنیوی بخششیں صرف دنیا داروں ہی کے لیے مخصوص نہیں ہیں بلکہ دین داروں کا بھی ان میں حصہ ہے:

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ط وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ ہم تمہارے رب کی نوازش (دنیوی) سے ان کو بھی نوازتے رہیں گے اور اُن کو بھی۔ اور تمہارے رب کی عنایات (کسی کے لیے بھی) ممنوع نہیں ہیں۔

(بنی اسرائیل — ۲۰)

غرض خلافت ارض کا ایک اہم ترین مقصد "جہاد" ہے۔ اور جہاد کی تیاری کے لیے ہر دور کے تقاضوں کے مطابق ہر قسم کے علوم وفنون سے آراستہ رہنا پڑتا ہے۔ کیونکہ جہاد کوئی وقتی یا عارضی چیز نہیں بلکہ ایک دائمی فریضہ ہے جو دین کے علمبرداروں پہ مستقل طور پہ عائد ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا موجودہ دور میں صحیح معنی میں علمی وقلمی جہاد کے لیے سائنسی علوم سے واقفیت ضروری ہے۔ اس کے بغیر اقوام عالم پر علمی اعتبار سے حجت پوری نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح آج "ہتھیاروں کے ذریعہ جہاد" کرنے کے لیے خصوصیت کے ساتھ صنعت اور ٹکنالوجی سے واقفیت اور اس میں کمال حاصل کرنا ضروری ہے[1] تاکہ حالات کے مطابق اقوام عالم سے نبرد آزمائی کی جا سکے اور ان پر رعب داب

---

[1] کیونکہ آج تیر اور تلوار کا زمانہ نہیں بلکہ راکٹ اور ہوائیوں کا دور ہے۔

قائم کرکے[1] عدل الٰہی کو دین رحمت کی شکل میں غالب کیا جا سکے۔ جہاد کی اس ہمہ جہتی تیاری سے جہاں ایک طرف امت اسلامیہ کو فوجی و سیاسی اور بین الاقوامی نقطۂ نظر سے بہت سارے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں تو دوسری طرف خود معاشی و اجتماعی حیثیت سے بھی ملت اسلامیہ کی کایا پلٹ سکتی ہے اور اتنے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں جو شمار سے باہر ہیں۔ یہ ہے علم اسمار کا صحیح مقصد، منشا اور اس کی اصلی غرض وغایت۔ اب اگلے صفحات میں اسی کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

تسخیر اشیاء اور باطنی نعمتیں | غرض انسان کو علم اسمار دیے جانے کا بنیادی مقصد جیسا کہ تفصیل گزر چکی ــــ مظاہر کائنات سے تعارف حاصل کرکے ان میں ودیعت شدہ فوائد سے مستفید ہونا اور خلافتِ ارض کے میدان کو سر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مظاہر و موجودات میں انسان کے لیے بے شمار فوائد اور عجیب وغریب نعمتیں ودیعت کر دی ہیں جو اس کی ربوبیت و رحمانیت کا حیرت انگیز مظہر ہیں۔ قرآن حکیم میں صاف صاف فرما دیا گیا ہے:

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ کیا تم نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ نے تمہارے لیے زمین اور آسمانوں کی تمام چیزیں مسخر کر دیں اور تم پر اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں

---

[1] بمطابق آیۂ کریمہ:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ الخ

اور تم اُن سے لڑائی کے لیے اتنی قوت اور زور آور گھوڑے تیار کرو جتنے تم کر سکتے ہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں پر دھاک بٹھا سکو۔ (انفال ـ ۶۰)

اس آیت پر تفصیلی بحث اگلے ابواب میں آرہی ہے۔

پوری کر دیں۔! (لقمان ۲۰)

یہاں پر "ظاہری اور باطنی نعمتیں" خاص طور پر قابل غور ہیں۔ کتب تفسیر میں ان کے مختلف مفہوم و مصداق بیان کیے گئے ہیں۔ جن کو مختصر طور پر نمبر وار بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ بعض کے نزدیک ظاہری نعمتوں سے ظہور اسلام اور دشمنوں پر فتح اور باطنی نعمتوں سے مراد فرشتوں کے ذریعہ امداد ہے۔

۲۔ ظاہری نعمتوں سے مراد شکل و صورت کا حسن اور اعضاء کی درستی ہے اور باطنی نعمتوں سے مراد معرفت ہے۔

۳۔ ظاہری نعمتوں سے مراد حواس ظاہری اور باطنی سے مراد عقل اور دماغ ہیں۔[1]

۴۔ امام رازی کے نزدیک ظاہری نعمتوں سے مراد جسمانی اعضاء کی درستی اور باطنی نعمتوں سے مراد ان اعضاء میں کارفرما پوشیدہ قوتیں ہیں۔[2]

۵۔ علامہ زمخشری نے نسبتاً ایک زیادہ بہتر اور فکر انگیز مفہوم بیان کیا ہے جو خود ان کا اپنا قول ہے۔[3] فرماتے ہیں:

---

[1] یہ تینوں اقوال تفسیر کشاف سے ماخوذ ہیں۔   [2] تفسیر کبیر۔

[3] واضح رہے کہ شرعی احکام کے برعکس تکوینی امور سے تعلق رکھنے والی آیات کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان کافی اختلاف ہے اور اس قسم کی آیات کی تفسیر کبھی مکمل اور "حرف آخر" نہیں ہو سکتی، بلکہ سائنسی علوم کی جیسے جیسے ترقی ہوتی جائے گی ان آیات کریمہ کا بہتر مفہوم اور ان کے حیرت انگیز اعجازی پہلو خود بخود واضح ہوتے جائیں گے، جو دراصل نوع انسانی کی فکری و اعتقادی اور تہذیبی و تمدنی اعتبار سے رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ موجودہ دور میں قرآن عظیم کا یہ سب سے بڑا اعجاز اور اس کا حیرت انگیز "ذاتی" پہلو ہے، جس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

الظاھرۃ کل یعلم بالمشاھدۃ، والباطنۃ مالا یعلم الا بدلیل اولا یعلم اصلاً۔ فکم فی بدن الانسان من نعمۃ لا یعلمھا ولا یھتدی الی علم بھا۔ ظاہری سے مراد ہر وہ نعمت ہے جو مشاہدہ میں آسکے۔ اور باطنی سے مراد وہ نعمت ہے جو کسی دلیل سے معلوم ہو سکے یا بالکل ہی معلوم نہ ہو سکے، اس لحاظ سے انسان کے بدن میں کتنی ہی ایسی (پوشیدہ) نعمتیں ہیں جن کو انسان نہیں جانتا اور ان کی طرف راہ یاب نہیں ہوتا[۱]

میرے نزدیک اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ظاہری نعمتوں سے مراد وہ نوازشات الٰہیہ ہیں جو آفرینش آدمؑ سے لے کر عصر حاضر تک برابر معلوم و متعارف چلی آرہی ہیں۔ یعنی وہ لوازم حیات جن کے استعمال سے ہر دور کا انسان بخوبی واقف رہا ہے اور باطنی نعمتوں سے مراد خاص کر مادہ (Matter) اور توانائی (Energy) کے وہ پوشیدہ اسرار و حقائق ہیں جو علوم سائنس کی ترقی کی بدولت منکشف ہو سکے ہیں۔ جن کو موجودہ انسان مسخر کر کے بخوبی فائدہ اٹھا رہا ہے۔ مثلاً برق، بھاپ، جوہری توانائی،[۲] جوہری آئی سوٹوپ اور بے شمار قسم کے کیمیاوی مرکبات۔ (Chemical Compounds) جو مصنوعی غذاؤں، ادویہ، کھادوں اور دیگر بے شمار مصنوعات سے متعلق ہیں۔ اور اسی طرح مختلف قسم کے ترشے (Acids) وغیرہ جن کا استعمال جدید صنعتوں (Industries) میں بہت عام اور اہم ہے۔

یہ تمام نعمتیں روز اول ہی سے کائنات میں موجود تھیں جن سے انسان علم اسماء کی ترقی اور علم تسخیر (ٹکنالوجی) کی قوت کی بدولت صحیح فائدہ اب اٹھا رہا ہے۔

---

[۱] تفسیر کشاف ۳/۲۳۵

[۲] جوہری توانائی کے مضر پہلوؤں پر بحث اگلے ابواب میں آرہی ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۚ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۠

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اوپر سے پانی برسایا پھر اس پانی سے تمہاری روزی کی خاطر (طرح طرح کے) میوے نکالے۔ اور کشتیوں کو تمہارے قابو میں کیا تاکہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلتی رہیں، (تاکہ تم جہاں چاہو باآسانی سفر کرسکو) اور دریاؤں کو مسخر کیا (کہ حسب منشا ان پر بند باندھو اور ان کا رخ موڑ لو) اور تمہارے لیے آفتاب و ماہتاب کو مسخر کیا (کہ ان کی توانائیوں سے تم حسب خاطر مستفید ہوسکو) اور تمہارے لیے رات اور دن کو کام میں لگایا (تاکہ تمہارے کام کرنے اور راحت پانے کے اوقات متعین ہوسکیں) اور اس نے (اس طرح) تمہارے (تمام فطری) مطالبات پورے کردیے۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا بھی چاہو تو نہ کرسکو گے۔ انسان بڑا ہی ستمگار اور ناشکرا ہے (وہ ان نعمتوں سے مستفید ہونے کے باوجود خدا کا انکار کر بیٹھتا ہے) (ابراہیم ۳۲-۳۴)

ایک اور موقع پر ارشاد ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ اور اس نے زمین اور اجرام سماوی کی تمام چیزیں تمہارے کام میں لگادی ہیں۔ یقیناً اس باب میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے بہت سے دلائل موجود ہیں۔ (جاثیہ ۱۳)

ان تمام آیات میں غور کیجیے۔ ان آیات کا منشا و مقصد کیا ہے اور یہ حکم کس کو

دیا جارہا ہے؟ تسخیرِ اشیا کس چیز کا نام ہے[1]؟ باطنی نعمتیں کس طرح وجود میں آتی ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ حکم "خلیفۃ الارض" کو دیا جارہا ہے کہ وہ علم اسمار کے "منتر" اور "دستِ تسخیر[2]"

---

[1] تسخیر کے لغوی معنی ہیں: کسی کو جبراً کام میں لگانا، رام کرنا، قابو میں کرنا وغیرہ۔ امام راغب نے لکھا ہے کہ "کسی خاص مقصد کے لیے کسی کو زبردستی لے جانا تسخیر کہلاتا ہے۔ اور "مسخر" وہ ہے جس کو کسی کام پر (جبراً) لگایا گیا ہو" (مفردات القرآن) اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم ازلی اور قوت قاہرہ سے تمام موجودات عالم کو انسان کے خادم اور حاشیہ بردار کی حیثیت سے مختلف کاموں پر مامور اور تیار کر رکھا ہے اور ان میں مخفی طور پر بے شمار فوائد ودلیعت کردیے ہیں۔ اب انسان کا کام ـــــ اپنے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ـــــ یہ ہے کہ وہ ان "خدام" سے (نہ کہ دیوی دیوتاؤں سے) اپنی عقل و دانش اور ضرورت کے مطابق خدمت لے اور ان مخفی فوائد کا پتہ لگا کر اور اپنے تمدنی مسائل و مشکلات حل کرکے دنیائے انسانیت کے گیسو سنوارے۔ چنانچہ اس ارشاد باری "وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ۔ (اور اس نے تمہارے تمام فطری مطالبات پورے کر دیے) کے مطابق انسان کی کوئی مشکل اور اس کی کوئی فطری و تمدنی ضرورت ایسی نہیں ہے جس کا حل "ضروریات سے بھرپور" اس کائنات ارضی میں موجود نہ ہو۔ ان صاف و صریح ارشادات کے باوجود ان نعمتوں سے مستفید نہ ہونا، یا اشیائے عالم کی تسخیر کو ایک کار عبث تصور کرنا محرومی نہیں تو پھر کیا ہے!

[2] اشیائے عالم کا اصل مسخِّر (تسخیر کرنے والا) جیسا کہ سابقہ حاشیہ میں صراحت کی جاچکی، خالق کائنات جل شانہٗ ہے۔ تمام موجودات پر اسی کا حکم اور اسی کی فرمانروائی چل رہی ہے۔ اس کے حکم سے ایک ذرہ بھی سرتابی نہیں کرسکتا۔ اس حیثیت سے سب اس کی قوت قاہرہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں (وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) ۔ مگر چونکہ انسان بھی علمائے اسلام کی تصریح کے مطابق صفات خداوندی کا

(بقیہ ص۱۷ پر)

کی قوت سے "باطنی نعمتوں" کو منظرِ عام پر لائے۔ یہ باطنی نعمتوں یا مادہ اور انرجی کے پوشیدہ حقائق کو منکشف کرنے کا "فارمولا" ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "مادہ کی توڑ پھوڑ" اور "انرجی" کے اصولوں کو کام میں لانے سے مختلف ایجادات و اکتشافات کی شکل میں "نعمتوں" کی بارش ہونے لگتی ہے۔ جیسے بجلی اور بھاپ سے چلنے والی ہزاروں قسم کی مشینیں موٹر، ٹرین، ہوائی جہاز، ٹیلی فون، ٹیلی پرنٹر وغیرہ بہت سی تمدنی ضروریات۔ اسی طرح فنِ زراعت میں استعمال ہونے والے جدید آلات، مشینیں اور کیمیاوی کھادیں۔ طب جدید میں استعمال ہونے والے آلات، مشینیں اور ادویات[1] اور سب سے زیادہ مفید

(بقیہ حاشیہ صہ) منظہر ہے، اس لیے وہ بھی ایک خاص دائرہ میں حاکم و مختار ہے جس طرح کہ سمیع و بصیر ہونا صفات الٰہی ہیں، مگر انسان بھی ایک خاص حد کے اندر سمیع و بصیر ہے جیسا کہ قرآن کریم کے بے شمار مقامات میں اس کی تصریح موجود ہے۔ لہٰذا موجودات عالم کا اصل مسخِّر باری تعالیٰ جل شانہ، ہے مگر مجازاً انسان کو بھی مسخِّر موجودات کہا جا سکتا ہے اور ان دونوں میں کوئی تعارض و تضاد نہیں ہے۔

مگر میں نے اس موقع پر "علم تسخیر" کو ٹکنالوجی کے معنی میں بطور ایک نئی اصطلاح استعمال کیا ہے۔ تاکہ جدید علوم و فنون اور موجودہ پسماندہ مسلمانوں کے درمیان حائل شدہ خلیجوں کو پاٹا جا سکے اور ذہنی و نفسیاتی اعتبار سے انھیں جدید علوم و فنون سے قریب کر کے انھیں وسیع تر کارِ خلافت کے لیے آمادہ کیا جا سکے۔ اس مقصد کے لیے اس سے بہتر قرآنی اصطلاح موجود نہیں۔

[1] زراعت کی ترقی سے ہماری غذائی ضروریات — ہمارے جسمانی نشوونما کے لیے — پوری ہوتی ہیں تو فنِ طب کی ترقی سے ہماری جسمانی صحت درست ہوتی ہے اور نقل و حرکت کی سہولتوں سے ہمارے جسم کو راحت پہنچتی ہے اور مشقتوں کا احساس کم سے کم ہونے لگتا ہے۔ اس لحاظ سے آج یہ تمام چیزیں ہماری بنیادی تمدنی ضروریات میں شمار ہونے لگی ہیں ان کے بغیر زندگی کا تصور ہی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

اور حیرت انگیز ترقی شاید طبعیات اور علم کیمیا کی ترقی کی بدولت عمل میں آسکی ہے۔ اس وقت دنیا میں جتنی بھی صنعتیں کام کر رہی ہیں، چاہے وہ مشینوں کی تیاری سے متعلق ہوں یا ادویات کی کھادوں کی تیاری سے متعلق ہوں یا دیگر مصنوعات کی، سب میں بنیادی طور پر ان دونوں کا عمل دخل ہے۔ صرف اکیلے پٹرولیم ہی سے اس وقت دنیا میں ہزاروں کیمیادی صنعتیں چل رہی ہیں جیسے موم، مصنوعی ربر، وارنش، الکوحل، پلاسٹک، خوشبویات، مصنوعی ریشے اور دھماکہ خیز مادے وغیرہ[1]۔ اسی طرح لوہے اور فولاد کی ہزاروں صنعتیں، الکٹرانکس آلات کی ہزاروں صنعتیں، پلاسٹک کی ہزاروں صنعتیں اور ربر کی ہزاروں صنعتیں کام کر رہی ہیں۔ یہی حال دیگر چیزوں کا بھی ہے کہ ہر ایک مادہ یا چیز (اسم) سے سیکڑوں ہزاروں چیزیں تیار ہو رہی ہیں۔ تمدن جدید میں لوہے کی مصنوعات اور الکٹرانک آلات کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہے۔ اگر موجودہ تمدن سے صرف دو چیزوں کو ہٹا دیا جائے تو شاید اس کے ڈانڈے قدیم تمدن سے مل مل جائیں۔

صنعت و ٹکنالوجی اور قوموں کا عروج و زوال ان علوم اور ان کے فوائد سے قطع نظر صرف معاشیاتی نقطۂ نظر سے غور کیجئے کہ یہ صنعتیں کتنی اہم ہیں! قوموں کی ترقی اور ان کی خوشحالی کا دار و مدار ان صنعتوں پر کتنا ہے! اس وقت روئے زمین پر ہزاروں نہیں لاکھوں صنعتیں کام کر رہی ہیں اور دنیا کی قوموں میں ان کے درمیان سخت مقابلہ چل رہا ہے۔ کروڑوں آدمی مختلف مصنوعات کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں اور انسانی تمدن دن بدن ترقی کرتا جا رہا ہے[2]۔ آج قوموں کی زندگی صنعتوں سے وابستہ ہو گئی ہے۔ اور جو قوم

---

[1] عرب ملکوں سے سستا تیل حاصل کر کے مغربی قومیں محض اپنی فنی جانکاری — علم اسماء اور علم تسخیر میں مہارت — کی بدولت اس سستے تیل سے مختلف کیمیاوی مصنوعات تیار کرتی اور خوب نفع کماتی ہیں۔

[2] اور دوسری حیثیت سے فوجی و عسکری میدان میں بھی اسی نسبت سے ترقی ہو رہی ہے اور سخت مقابلہ چل رہا ہے۔

"بے صنعت" ہے وہ گویا کہ فقیر اور کنگال ہے، جو دنیا کے اسٹیج پر زیادہ دنوں تک ٹھہر نہیں سکتی ہے[1] کیونکہ یہ سرزمین "زور آوروں" کا مسکن و ماویٰ ہے۔ یہاں جو کمزوری دکھائے گا وہ قانون قدرت کے مطابق پیس کر رکھ دیا جائے گا۔ جیسا کہ فلسفۂ تاریخ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے۔

خلاقِ فطرت نے یوم ازل ہی میں تمام مظاہر کائنات کے چند قوانین و ضوابط مقرر کیے پھر ان مظاہر کا علم انسان کو عطا فرمایا کہ وہ ان مادی قوانین و ضوابط سے آگاہی حاصل کر کے موجودات عالم سے فائدہ اٹھائے۔ جس کے باعث "نئی نئی نعمتیں" ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ جن کا تذکرہ "وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً" (اور اس نے تم پر اپنی کھلی و پوشیدہ تمام نعمتیں پوری کر دیں) نیز "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا" (اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا بھی چاہو تو نہ کر سکو گے) میں کیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ جو قوم ان علوم سے واقف ہو گی اور منشائے خداوندی کے مطابق موجودات عالم کی تسخیر کرے گی وہی خلافت ارض کی اصل مستحق بنے گی۔ حصول خلافت کے لیے تسخیر موجودات ضروری ہے۔ اور تسخیر موجودات کی کنجی علم اسماء ہے۔ لہٰذا علم اسماء (سائنسی علوم) خلافت ارض کا پہلا باب اور اس کا اولین زینہ ہے۔ اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ جو قوم اس باب میں پیچھے رہ جائے وہ "منصب امامت" سے بطور سزا معزول کر دی جاتی ہے یعنی دوسروں کی غلام یا دست نگر اور حاشیہ بردار بنا دی جاتی ہے کیونکہ قانون فطرت اور قانون خداوندی کے مطابق اس دنیا میں کاہلوں کا کوئی کام نہیں رہتا۔

---

[1] یہ کلیہ آج ایک بین الاقوامی صداقت کے روپ میں نظر آ رہا ہے۔

ہر دور کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں۔ زندہ قوموں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھال لیں، ورنہ وہ گاجر مولی کی طرح کاٹ کر پھینک دی جائیں گی یا ان کو تاریخ کے "عجائب خانوں" کے حوالے کر دیا جائے گا گویا کہ وہ مردہ قومیں ہیں اور ان کا مقام دنیا کے اسٹیج کے بجائے میوزیم ہی زیادہ مناسب ہو سکتا ہے۔

انتخاب الترغیب والترہیب

مؤلفہ حافظ محدث ذکی الدین المنذریؒ، ترجمہ مولوی عبداللہ صاحب دہلوی:
اعمال خیر پر اجر و ثواب اور بدعملیوں پر زجر و عتاب پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن اس موضوع پر المنذری کی اس کتاب سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے اس کے متعدد تراجم وقتاً فوقتاً شائع ہوئے مگر نامکمل ہی شائع ہوئے۔ کتاب کی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر اس کی ضرورت تھی کہ اس میں سے مکررات اور سندوں کے اعتبار سے کمزور حدیثوں کو نکال کر اصل متن تشریحی ترجمہ اور معانی کے ساتھ ملا کر طبع کرایا جائے۔

ندوۃ المصنفین دہلی نے نئے عنوانوں اور نئی ترتیب کے ساتھ شائع کرانے کا پروگرام بنایا ہے جس کی پہلی جلد آپ کے سامنے ہے۔ اس جلد کے شروع میں حدیث اور اس کے متعلقات پر ایک مبسوط اور طویل مقدمہ بھی ہے اس کے بعد اصل کتاب مع تشریحی ترجمہ شروع ہوئی ہے۔
جلد اول جس میں کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ پر ۱۹۰ احادیث مذکور ہوئیں۔ تقطیع متوسط ۳۰×۲۶/۸ صفحات ۵۰۴

بقیہ ابواب الصلوٰۃ کتاب الصلوٰۃ، کتاب الصوم اور نماز عیدین پر مشتمل ہے جس میں ۳۰۳ احادیث مذکور ہیں۔ صفحات ۴۰۰

جلد سوم میں کتاب الحج، کتاب الجہاد اور فضائل قرآن و حدیث کے ابواب آگئے ہیں اس جلد میں ۳۶۰ احادیث شامل ہیں ابواب حج ۸۱ احادیث ابواب جہاد میں ۲۰۸ اور فضائل القرآن میں ۶۵ الخ

جلد چہارم طبع آفسیٹ: جدید ایڈیشن، اضافوں کے ساتھ ماہ مئی میں انشاء اللہ طبع ہو کر آرہی ہے: قیمت -/۳۰ روپے۔ مجلد -/۳۵ روپے۔
چاروں جلدوں کی مکمل قیمت: 115/- روپے

مینجر ندوۃ المصنفین